دنیا عدم تشدد سے متعلق مارٹن لوتھر کنگ کو درست ثابت کر رہی ہے

از : ایریکا شینوویتھ ، ماریا جے اسٹیفن

یمنی کارکن توکل کرمان (دائیں طرف، سفید اسکارف میں) کو حقوقِ نسواں کے لیے اُن کی غیر متشدد جدوجہد پر نوبیل امن انعام سے نوازا گیا۔
ارسال کردہ : سدرسان راگھوان

”ہندوستان سے جاتے ہوئے، میں پہلے سے کہیں زیادہ اس بات کا قائل تھا کہ مظلوم عوام کے لیے، اپنی جدوجہدِ آزادی میں، اُن کا سب سے طاقتور ہتھیار، عدم تشدد پر مبنی مزاحمت ہے۔“ ـ ”مارٹن لوتھر کنگ جونیئر کی خودنوشت سوانح“ تدوین کردہ از کلیبورن کارسن۔

2011ء سے، دنیا انتہائی متنازع مقام بن چکی ہے۔ اگرچہ مشرقِ وسطیٰ، ساحل، اور جنوبی ایشیا تک مسلح دراندازیاں شدت سے سر اٹھا رہی ہیں، اس کے باوجود اب لوگ اپنی ناراضی کے ردعمل کے لیے پُر تشدد عوامی تصادم کو ابتدائی حربے کے طور پر اختیار نہیں کرتے۔ بلکہ، تیونس سے تحریر اسکوائر تک، زوکوٹی پارک سے فرگوسن تک، برکینا فاسو سے ہانگ کانگ تک، دنیا بھر کی تحریکوں نے تبدیلی لانے کے لیے گاندھی، مارٹن لوتھر، اور دورِ حاضر کے مقامی اور دور دراز کے کارکنوں سے سبق حاصل کیا ہے۔

گاندھی اور کنگ کا زور تشدد سے پاک مزاحمت پر تھا جس میں غیر مسلح افراد باہمی مربوط ہڑتالوں' احتجاجوں' ترکِ موالات (بائیکاٹ) یا دیگر اقدامات سے اپنے مقابل کا مقابلہ کرتے تھے۔ لیکن ایسا نہیں کہ اس تصور کو تنقید کا نشانہ نہ بنایا گیا ہو۔ بعض اوقات یہ تنقید عوامی مزاحمت سے متعلق غلط فہمیوں پر مبنی ہوتی ہے' جبکہ بعض لوگ غیر مسلح اور مظلوم عوام کے منظّم ہو کر طاقتور کو چیلنج کرنے کی قابلیت پر شکوک کا اظہار کرتے ہیں۔ ہر نئی تحریک کے ساتھ ایسے ہی چیلنجوں سے واسطہ پڑتا ہے' نیز بھرپور طاقت اور منظّم دباؤ کا سامنا کرنے کے لیے عدم تشدد پر مبنی اقدام کی اثر انگیزی سے متعلق سوالات کیے جاتے ہیں۔ 2011ء میں' ہم نے ان سوالات کا جائزہ لیتے ہوئے ایک کتاب شائع کی اور غیر متوقع طور پر یہ جانا کہ قابض قومی حکمرانوں کو معزول کرنے یا علاقائی آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد میں' تشدد سے پاک مزاحمت پر مبنی مہمات کو پُر تشدد مہمات کے مقابلے میں دگنی سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔

بیشتر لوگوں کو یہ نتیجہ معصومانہ لگ سکتا ہے' لیکن جب ہم نے معلومات کا سمندر کھوجا تو یہ جانا کہ عدم تشدد پر مبنی مزاحمتی تحریکیں مخالفین کا دل موم کر کے کامیاب نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ اس لیے کامیاب ہوتی ہیں کہ تشدد سے پاک مربوط طریقوں میں لوگوں کی بڑی تعداد کو اُبھارنے کا کہیں زیادہ امکان ہوتا ہے —اوسطاً مسلح بغاوت کے مقابلے میں غیر مسلح تحریکیں گیارہ گنا زیادہ لوگوں کو شرکت کے لیے اُکساتی ہیں —اور اس لیے بھی کہ یہ حریف حکومت کے اندر طاقت کی بڑی تبدیلی کا ماخذ بنتی ہیں۔ معاشرے کے مختلف طبقات پر مشتمل عوام کی شمولیت ایک طرف جبر پسندوں کو ان کی حمایت کے ذرائع سے منقطع کرتی ہے تو دوسری طرف اصلاح پسندوں کو قوت بخشتی اور ان کا ساتھ دیتی ہے۔ ایسی عوامی شمولیت جو غیر متشدد اقدامات پر مبنی ہو' وہ قیادت سے حکومتی حمایت ختم کر دینے کے امکانات بڑھاتی ہے اور مسلح طاقتوں' معاشی اشرافیہ اور سرکاری اہلکاروں کو پُر تشدد انتقام کے کم خوف یا بے خوفی کے ساتھ اپنی وفاداری تبدیل کر دینے کا موقع دیتی ہے۔

دوسرے الفاظ میں کہا جائے تو ہم نے یہ جانا کہ تشدد سے پاک مزاحمت ضروری نہیں کہ اپنی تبدیلی کی طاقت کی وجہ سے موثر ہو' بلکہ اس لیے کہ اس میں تخلیقی' انتخابی اور زور دار صلاحیت ہوتی ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے جسے البرٹ آئنسٹائن انسٹیٹیوٹ کے بانی' جین شارپ نے کئی دہائیوں کے مشاہدے کے بعد پیش کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ عدم تشدد پر مبنی تمام تحریکات کامیاب نہیں ہوتیں۔ لیکن ایسے مواقع کہ جب وہ ناکام ہوئیں' ایسا کوئی باقاعدہ ثبوت نہیں مل سکا جس سے یہ اشارہ ملتا ہو کہ پُر تشدد بغاوت کے نتائج زیادہ بہتر نکل سکتے تھے۔

وہ 2011ء تھا۔ اب 2016ء ہے۔ ہم نے گزشتہ پانچ سالوں میں عدم تشدد پر مبنی مزاحمت سے متعلق کیا کچھ سیکھا ہے؟ ذیل میں سیاسیات سے اخذ کردہ چند اہم عملی تجربات کا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔ تشدد سے پاک اقدام پر شکوک و شبہات کا شکار رہنے والوں کے لیے' ان میں سے بعض تجربے قدرے حیران کن ثابت ہوں گے۔

1۔ عدم تشدد پر مبنی تحاریک زیادہ عام ہو گئی ہیں۔

اگر آپ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم تاریخ کے انتشار انگیز ترین وقت میں جی رہے ہیں' تو آپ درست ہیں۔ لیکن ہمارے دور میں یہ انتشار اپنی نوعیت کے اعتبار سے انوکھا بھی ہے۔ 'جدوجہد کے اہم واقعات' (The Major Episodes of Contention) کا منصوبہ (ایک ڈیٹا پروجیکٹ جسے یونیورسٹی آف ڈین ور میں پروفیسر ایریکا شینوویتھ چلا رہی ہیں) یہ تجویز کرتا ہے کہ عدم تشدد پر مبنی مزاحمتی تحریکات دنیا بھر میں

اختلافی معاملات کا مشروط درجہ بن چکی ہیں۔ NAVCO ڈیٹا پروجیکٹ ایک علیحدہ ڈیٹا کلیکشن پروجیکٹ ہے جو مختلف ماخذ سے مواد اور شمولیت کے خارجی معیارات استعمال کرتا ہے۔ احتجاج سے متعلق ڈیٹا کے دیگر مختلف مجموعوں کی طرح' NAVCO پروجیکٹ بھی ملتے جلتے نمونے پیش کرتا ہے۔ پُر تشدد بغاوتوں کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ ان میں دورانِ جنگ ایک ہزار اموات واقع ہو چکی ہوں' اور ایسی بغاوتوں کی شرح میں 1970ء کی دہائی سے کمی دیکھنے میں آئی ہے' جبکہ تشدد سے پاک مزاحمت پر انحصار کرنے والی تحاریک آسمان کو چھونے لگی ہیں۔ واضح رہے کہ یہ اعداد و شمار خصوصاً انقلابی تحاریک سے متعلق ہیں' یعنی ایسی تحریکیں جن کا مقصد برسرِ اقتدار قومی قیادت سے طاقت چھیننا' یا غیر ملکی قابض افواج یا نوآبادیاتی طاقت سے علاقائی آزادی حاصل کرنا تھا۔

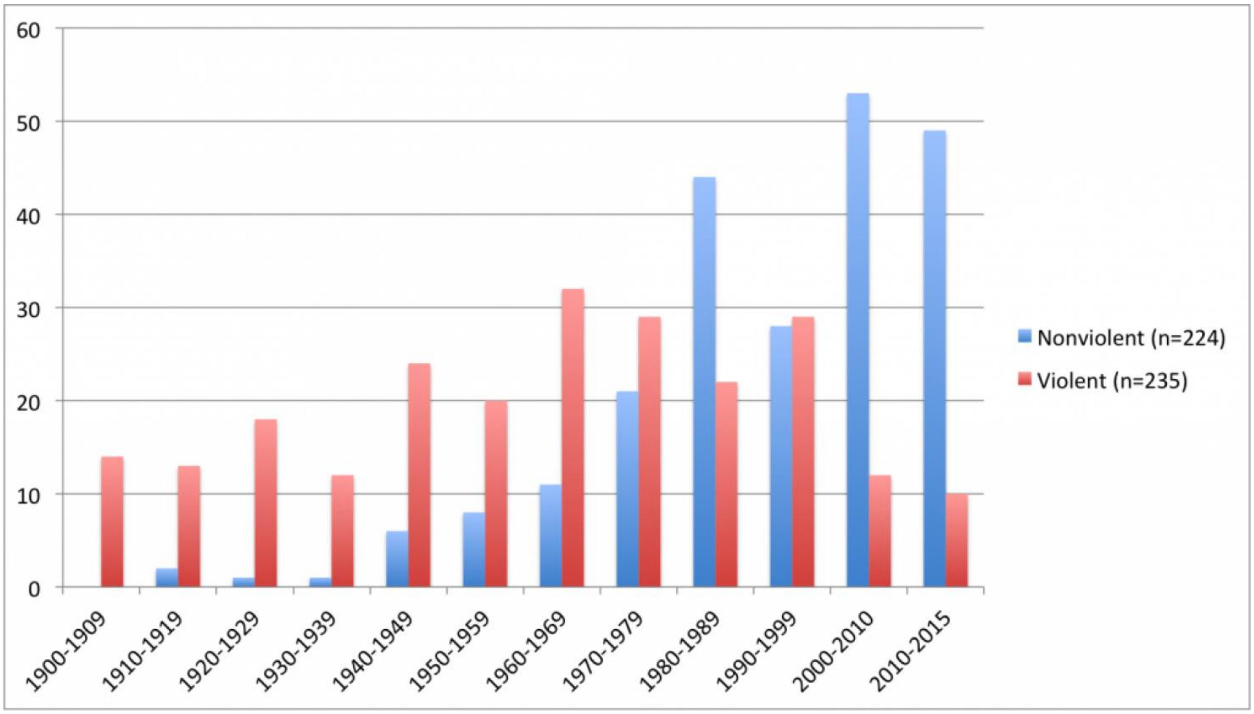

صرف اسی عشرے کے ابتدائی پانچ سالوں میں' ہم نے عدم تشدد پر مبنی نئی تحریکات کی یورش دیکھی ہے جو تعداد میں 1990ء کی پورے عشرے کے دوران سامنے آنے والی تحریکوں سے زیادہ ہیں اور تقریباً اتنی ہی ہیں جتنی 2000ء کے عشرے کے دوران دیکھنے میں آئیں۔ ہمارا یہ موجودہ عشرہ متنازع ترین عشرہ بننے کا ریکارڈ قائم کرنے کی راہ پر گامزن ہے۔

2۔ اگرچہ تشدد سے پاک تحریکیں زیادہ عام ہیں' لیکن ان کی مطلق کامیابی کی شرح میں کمی آئی ہے۔

تشدد سے پاک تحریکوں میں اس قدر اضافے کے باوجود' ہم نے ان کی استعداد میں خاصا جھکاؤ بھی دیکھا ہے۔ عدم تشدد پر مبنی مزاحمت کی کامیابی کی شرح 1990ء کی دہائی میں اپنے عروج پر تھی' تاہم رواں عشرے میں عدم تشدد پر مبنی مزاحمت کی کامیابی کی شرح میں تیزی سے کمی دیکھنے میں آئی ہے۔

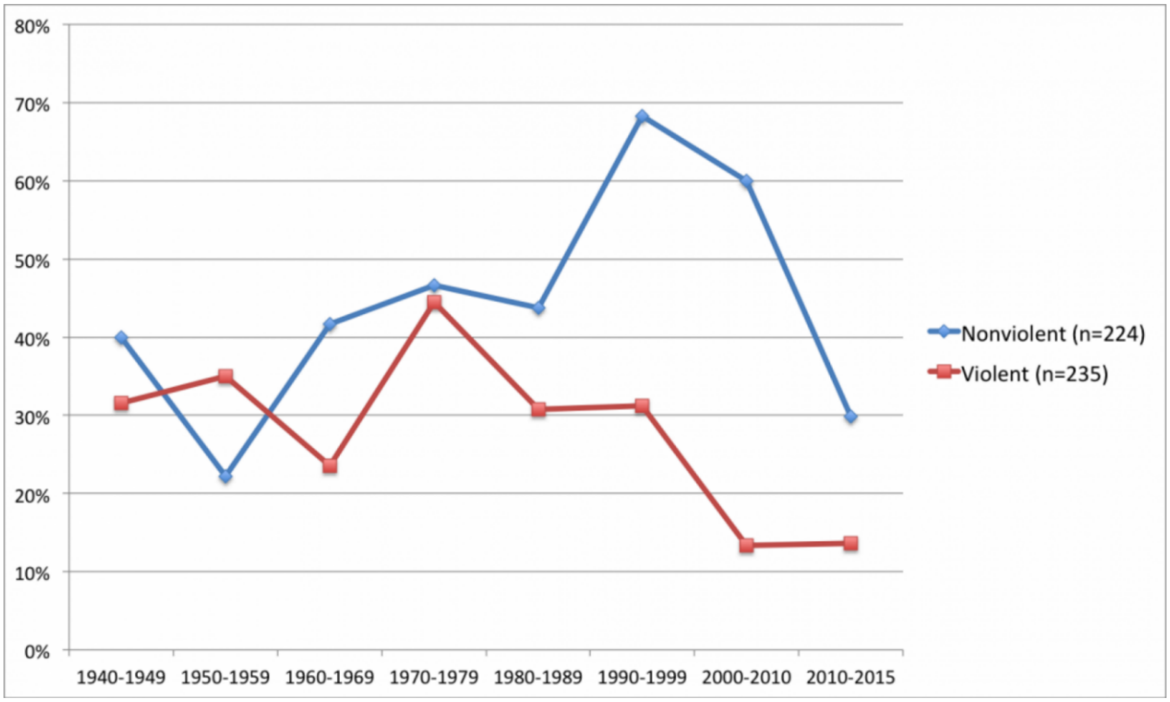

اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ اوّل، ممکن ہے کہ ریاستی مخالفین چیلنجوں سے سیکھ رہے اور ان سے مطابقت پیدا کر رہے ہوں۔ اگرچہ چند دہائیوں قبل، انھیں اندازہ نہیں تھا کہ عوامی طاقت ان کے اقتدار کے لیے کس قدر اہم خطرہ ثابت ہوسکتی ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ اب عدم تشدد پر مبنی بڑی تحریکوں کو حقیقی خطرے کے طور پر دیکھتے ہوں اور ان سے حفاظت کے لیے زیادہ وسائل خرچ کر رہے ہوں۔ شاید وہ بروس بیونو دی مسکیوٹا اور ایلسٹر اسمتھ کی ''ڈکٹیٹرز ہینڈبک'' کی پیروی کر رہے ہوں۔ یا ممکن ہے کہ وہ ایسی تحریکوں کے ظہور میں آنے پر انھیں تہ و بالا کرنے کے لیے موثر رکاوٹیں ترتیب دے رہے ہوں۔ سیکھ کر مطابقت پذیری کے اس مشاہدے کو اسمتھ کالج میں مطالعۂ مشرقِ وسطی کے کیمپ سربراہ، اسٹیو ہیڈیمین ''اسبتدادیت 2.0'' قرار دیتے ہیں، اور یہ اٹلانٹک کونسل کے منصوبے ''اسبتدادیت کا مستقبل'' کی توجہ کا مرکز ہے۔

دوم، تشدد سے پاک اقدامات کے طریقے اپنانے والے کارکنان، ہوسکتا ہے کہ، دنیا بھر میں اپنے ہم عصروں سے غلط سبق سیکھ رہے ہوں۔ مثال کے طور پر، 2010ء اور 2011ء میں تیونس میں عظیم مظاہروں اور ہڑتالوں کی نیوز کوریج کی بنیاد پر ممکن ہے کہ تحریکی کارکن یہ سوچتا ہو کہ تین ہفتوں پر مشتمل مظاہرے ایک آمر کو معزول کرسکتے ہیں۔ لیکن ایسے نتائج اخذ کرتے ہوئے یہ حقیقت قطعی نظرانداز کردی جاتی ہے کہ تیونس کی منفرد حالیہ تاریخ بھرپور منظّم محنت کش سرگرمی پر مشتمل تھی، جس نے اس بغاوت کو سہارا دیا۔ پھر عام ہڑتالوں کے باعث تیونسی معیشت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ لاحق ہوگیا، جس کے نتیجے میں صدر زین العابدین اقتصادی اور کاروباری اشرافیہ کی حمایت سے ہاتھ دھو بیٹھے، نیز مسلح افواج بھی مظاہرین پر خودکار ہتھیاروں سے حملہ کرنے کے احکامات کو خاطر میں نہ لائیں۔

کارکنان کے لیے ملتے جلتے حالات کا سامنا کرنے والے دیگر لوگوں سے متاثر ہونا فطری عمل ہے، لیکن اس کا نتیجہ اکثر ناکامی کی صورت میں نکل سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، یونیورسٹی آف ٹیکساس کے کرٹ ویلینڈ نشاندہی کرتے ہیں کہ 1848ء میں تشدد سے بھرپور بیشتر انقلابات کی عالمی لہر کے دوران، اختلافِ رائے رکھنے والوں نے فرانسیسی بادشاہت کے خلاف ابتدائی بغاوت میں یہی حکمتِ عملی اپنانی چاہی تھی۔ لیکن فرانسیسی بادشاہت بہتر

تیاری اور عمدہ وسائل کے ساتھ ایک مختلف نوعیت کی حریف تھی جو بغاوت کو کچلنے کے لیے تیار تھی۔ بعد ازاں اس لہر میں بغاوتیں کچلنے اور حزبِ اختلاف کو اپنی حمایت میں تقسیم کرنے کے لیے حکمرانوں نے انقلابیوں کے اقدامات کی پیش بندی کرلی۔ خصوصاً بغاوتوں کی علاقائی لہروں کے آخری مراحل میں یہی حالات ہم آج بھی دیکھ سکتے ہیں۔

3۔ البتہ، کوئی مانے یا نہ مانے، تشدد سے پاک تحریکیں اب بھی تشدد سے زیادہ کامیابی حاصل کر رہی ہیں۔

مکمل کامیابی کی شرح کے اعتبار سے دیکھا جائے تو 1960ء سے، تشدد سے پاک تحریکوں کے مقابلے میں پُر تشدد تحریکات کے نتائج انتہائی برے رہے ہیں۔ درحقیقت، 1900ء سے 2015ء تک، اگر حساب لگایا جائے تو عدم تشدد پر مبنی تحریکوں کی کامیابی کی شرح 51 فیصد ہے جبکہ پُر تشدد تحریکیں 27 فیصد مواقع پر کامیاب ہوئیں۔ اس عشرے میں تاحال، 30 فیصد عدم تشدد پر مبنی تحریکیں، جبکہ 12 فیصد پُر تشدد تحریکیں کامیاب ہوئی ہیں۔ گویا دراصل، ان کے درمیان کامیابی کا تناسب اب اوسط سے کہیں زیادہ بڑھ چکا ہے۔

4۔ تشدد سے پاک بڑی تحریکوں کے لیے پُر تشدد پہلو نقصان دہ ہے۔

2011ء سے اب تک زیرِ بحث رہنے والے موضوعات میں سے ایک یہ سوال بھی رہا ہے کہ بنیادی طور پر ایک غیر مسلح تحریک کے ساتھ تھوڑا بہت تشدد کا استعمال عدم تشدد پر مبنی تحریک کی مدد کرتا ہے یا اسے نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ سوال اکثر ریاست ہائے متحدہ میں ''تدابیر کے تنوع'' سے متعلق مذاکروں میں پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن دنیا بھر ہی میں انقلابی تبدیلی کی خواہش رکھنے والی مختلف تحریکوں میں جدوجہد کے عدم تشدد، تشدد یا ملے جلے طریقوں کا سوال عام ہے۔ مبصروں، علما اور کارکنوں کی جانب سے متعدد دعووں، فوائد اور نقصانات کے باوجود، حیرت انگیز طور پر اس سوال کی بہت ہی کم عملی جانچ کی گئی۔ حال ہی میں اس حوالے سے کچھ پیش رفت ہوئی ہے۔

'موبلائزیشن' (mobilization) میں ایک حالیہ مضمون میں، روٹگرز یونیورسٹی (Rutgers University) کے شینو ویتھ اور کرٹ شوک نے تشدد کے محدود استعمال کا جائزہ لینے کے تقابلی ڈیٹا استعمال کیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ پُر تشدد پہلو بعض قلیل المدتی مقاصد، مثلاً ذرائع ابلاغ کی توجہ حاصل کرنا، اپنی حفاظت، مزید انقلابی اراکین کی وابستگی کا سبب بننے، یا ''کشیدگی کے خاتمے'' کے امکانات مسدود کرنے والی مخالفانہ فضا کے پھیلاؤ، کے حصول میں معاون ہو سکتا ہے۔ لیکن تشدد کی لہر خاص طور پر طویل المدتی حکمت عملی کے مقاصد، جیسے کہ شرکا کی مسلسل بڑھتی ہوئی اور متنوع تعداد کو برقرار رکھنے، غیر جانبدار گروہوں سے حمایت حاصل کرنے اور مسلح اداروں کی وفاداری تبدیل کرنے جیسے مقاصد کو نقصان پہنچاتی ہے۔ انھیں اس بات کا ثبوت ملا کہ تشدد کا راستہ عموماً شرکا کی کم تعداد اور بیشتر یکساں گروہوں کی جانب سے اپنایا جاتا ہے، جو پہلے ہی تشدد سے پاک مزاحمت کا راستہ اپنانے کے بنیادی فائدے سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ ایک اور تحقیق بھی اسی نتیجے پر پہنچتی ہے کہ تشدد کی لہر ریاست کی جانب سے جبر و تشدد کے بڑھانے کا سبب بنتی ہے، جس کا نتیجہ لوگوں کی کم شرکت کی صورت میں نکلتا ہے۔ چنانچہ، عام طور سے، پُر تشدد پہلو عدم تشدد والی تحریکوں کی کامیابی میں ہرگز مددگار ثابت نہیں ہوتے۔ پرنسٹن یونیورسٹی کے عمر واسو تشدد سے پاک بمقابلہ ''پُر تشدد'' احتجاجوں کے سیاسی اثرات

سے متعلق مزید ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ 1960ء کی دہائی کے دوران سیاہ فام امریکیوں کی جانب سے شہری احتجاجوں سے متعلق ڈیٹا استعمال کرتے ہوئے، واسواس بات کے قائل ہیں کہ تشدد سے پاک احتجاجوں کی بڑی تعداد کا نتیجہ "شہری حقوق" کے لیے پُر زور حمایت کی صورت میں نکلا اور یہ ریاست ہائے متحدہ میں عوامی دلچسپی کا بنیادی معاملہ بن گیا، جبکہ پُر تشدد احتجاجوں کی بڑی تعداد کا نتیجہ "لاء اینڈ آرڈر" (قانون کی عملداری) کے حوالے سے پُر زور حمایت کی صورت میں نکلا۔ 1965ء کے بعد، جب پُر تشدد احتجاجوں کا سلسلہ بہت عام ہو گیا تو رائے عامہ شہری حقوق کی حمایت کی بجائے پولیس کے ردِ عمل کی حمایت کی طرف منتقل ہو گئی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کیسے اس تحریک نے حمایت کے اہم ستونوں کے درمیان اپنی حمایت کے پھیلاؤ کا خاتمہ کر دیا۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ عوامی رائے نہ صرف قلیل المدتی عرصے، بلکہ طویل المدتی عرصے کے لیے بھی اہمیت رکھتی ہے: واسواس نتیجے پر پہنچا کہ "امن وامان" کی حمایت اور ریپبلکن قیادت کے لیے ووٹ کا ایک دوسرے سے گہرا ربط تھا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ احتجاج کی مختلف اقسام کے اثرات نے ریاست ہائے متحدہ میں دیرپا سیاسی اثرات مرتب کیے۔

5۔ عدم تشدد پر مبنی تصادم کی پیش گوئی کرنا بے حد مشکل ہے۔

عمرانیات کے تمام تر شعبے کی طویل عرصے سے اس سوال میں دلچسپی رہی ہے کہ سماجی تحریکیں یا احتجاجی تحریکیں کب وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ عدم تشدد پر مبنی بیشتر مزاحمتی تحریکات کا معاملہ ذرا سا مختلف ہوتا ہے، کیونکہ وہ ریاستی حریف کے خلاف انتہائی انتشار پھیلانے والے، باہمی مربوط اقدامات کے تسلسل پر دلالت کرتی ہیں، جن کا مقصد قومی سطح پر حالات (اسٹیٹس کو) میں بنیادی تبدیلی لانا ہوتا ہے۔ تشدد سے پاک مزاحمت کے اسباب کے تجزیے پر مبنی مطالعوں سے کئی لازم و ملزوم عوامل کی نشاندہی ہوئی ہے، مثلاً صنعتی شعبے کا بڑھنا (بچر اور سیوسنن 2014ء)، جذبات (پیئر لمین 2013ء)، جغرافیائی حالات (گلیڈش اور ریویرا 2015ء)، اور احتجاجی تاریخ (بریتھوویٹ، بریتھ ویٹ، اور کیوبک 2015ء)۔

2015ء میں، شینوویتھ اور جے الفلڈر نے عوامی بغاوتوں سے متعلق متعدد عمومی نظریات کا جائزہ اس مقصد سے لیا کہ کیا ان میں سے بعض کی مدد سے ٹھیک ٹھیک یہ پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ تشدد سے پاک تحریکات کہاں وقوع پذیر ہوں گی۔ ایک طرف جہاں مسلح تحریکوں، انقلابات یا سقوطِ ریاست کے متعلق اسکالروں کی جانب سے پیش گوئی کرنا کوئی بڑی بات نہیں، وہیں تشدد سے پاک عوامی تحریکیں تقریباً کہیں بھی اور کسی بھی وجہ سے وقوع پذیر ہو سکتی ہیں۔ اور یہ اکثر ایسی جگہ سامنے آتی ہیں جہاں اسکالروں کے خیال میں اختلافِ رائے کو موثر طریقے سے منظّم کرنا تو دور، اختلافِ رائے کو محض منظّم کرنا ہی بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور یہ بھی پوری طرح واضح نہیں کہ کیا چیز انھیں اُکساتی ہے یا ثابت قدم رکھتی ہے۔ شینوویتھ اور الفلڈر اس نتیجے پر پہنچے کہ عوامی طاقت پر مشتمل تحریکیں عام طور سے اس قدر حالات کے مطابق اور ناگہانی ہوتی ہیں کہ پیش گوئی کے عمومی ذرائع اور معلومات کی ساخت ان کے اسباب کی اصل تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس نتیجے کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ عدم تشدد پر مبنی بغاوتوں کو منظّم کرنے والے لوگ اکثر بدترین حالات پر اس خوبی سے غالب آجاتے ہیں کہ توقعات کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اور یوں ہم اپنے حتمی نکتے پر پہنچتے ہیں۔

6۔ جبر و تشدد تمام مخالف تحریکوں کو چیلنج تو کرتا ہے، لیکن ضروری نہیں کہ وہ عدم تشدد پر مبنی مزاحمت کے انتخاب یا اس کے نتائج پر اثر انداز بھی ہوتا ہو۔

غیر متشدد مزاحمت سے متعلق ایک مقبول اعتراض یہ ہے کہ اس کا وقوع پذیر ہونا اور کامیابی سے چل سکنا تب تک ہی ممکن ہے جب تک مخالف شائستگی سے کام لے۔ لیکن جونہی مخالف نے آستینیں چڑھائیں تو عدم تشدد پر مبنی مزاحمت ناممکن یا بے اثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ ہم نے اپنی 2011ء کی کتاب میں اس اعتراض کا تھوڑا سا جائزہ لیا تھا، لیکن حال ہی میں ہونے والی بعض مزید تحقیق بھی اس اہم سوال سے متعلق گفتگو پر مشتمل ہے۔

جہاں تک یہ معاملہ ہے کہ کیا وحشیانہ جبر و تشدد غیر متشدد مزاحمت کے امکانات پر اثر انداز ہوتا ہے، تو وینڈی پیئر لمین فلسطینی قومی تحریک پر اپنی شاندار کتاب میں دلیل دیتی ہیں کہ جبر و تشدد وہ واحد سبب نہیں جو کسی بھی تحریک کو عدم تشدد سے پُر تشدد اقدام تک لے جائے۔ وہ بحث کرتی ہیں کہ در حقیقت، جبر و تشدد پہلے انتفاضہ کے تشدد سے پاک مرحلے کے دوران بھی اتنا ہی شدید تھا جتنا تحریک کے متعدد پُر تشدد مراحل کے دوران۔ بلکہ، وہ یہ کہتی ہیں کہ، یکجہتی کا عالم تشدد کا راستہ اختیار کرنے کو بہتر طور پر بیان کر سکتا ہے۔ جب تحریک کے پاس اجتماعی نظریہ، قیادت اور داخلی معیارات و قواعد کا واضح مجموعہ تھا، تو تحریک اسرائیلی حکومت کی جانب سے مسلسل جبر و تشدد کے باوجود غیر متشدد تحریک پر انحصار کرنے کے قابل تھی۔

اسی طرح محققین، جوناتھن سٹن، چارلز بچر اور آئزک سیونسن نشاندہی کرتے ہیں کہ تشدد کے سامنے کسی مہم کی اہم اور فیصلہ کن صلاحیت تحریک کا ڈھانچہ اور نظم و ضبط ہوتا ہے۔ وہ مقداری ڈیٹا استعمال کرتے ہوئے دلیل دیتے ہیں کہ جب ریاست غیر مسلح مظاہروں کے خلاف یک طرفہ تشدد یا بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری کا راستہ اپناتی ہے تو مظاہرین صرف اسی صورت میں زیادہ عرصے تک کامیاب رہ سکتے ہیں کہ وہ ایک بڑی اور مربوط مہم کا حصہ رہیں۔

البتہ بعض تحقیقات انتہائی فسطائی جابر حکومتوں ــ خصوصاً نسل کشی یا سیاسی عزائم رکھنے والی حکومتوں ــ کے ساتھ جدوجہد میں عدم تشدد پر مبنی مخالفت کی صلاحیت پر شک کا اظہار کرتی ہیں۔ 1975ء اور 1985ء کے دوران گوئٹے مالا کی مسلح افواج کی جانب سے بائیں بازو (leftists) کی حزبِ اختلاف کا منظّم صفایا کرنے پر کرسٹوفر سولیوان کا حالیہ کام بعض حکومتوں کی جانب سے لاحق شائستگی اور وابستگی سے متعلق تنبیہ کی داستان ہے۔ مارچ 2011ء میں درعا میں احتجاج کے بعد شام میں بشار الاسد کی حکومت کی جانب سے پُر امن مظاہرین کو چن چن کر قتل کرنا ایک لرزہ خیز یاد دہانی ہے کہ کیوں عدم تشدد پر مبنی عوامی تحریکات جس قدر کامیاب ہوتی ہیں، اتنی ہی ناکام بھی ہوتی ہیں۔

لیکن پھر وہی بات کہ یہ پیش گوئی کرنا مشکل ہے کہ شام جیسے بظاہر ناممکن حالات میں بھی ایسی جابر نوکر شاہی کب عوامی بغاوت کے باوجود اپنے ماتحتوں کو مکمل وفاداری نبھانے پر مجبور کر دے گی۔ علاوہ ازیں، اپنی اگلی تحقیق میں، لی اسمتھی، لیسٹر کرٹز، اور رفقا اس نتیجے پر پہنچے کہ غیر مسلح مظاہرین کے خلاف حکومتی جبر اکثر الٹا انھی کے گلے بھی پڑ سکتا ہے کہ وہ اخلاقی بدسلوکی کا ماحول تشکیل دینے، مزید شرکا کو شامل کرنے، تحریک کے لیے غیر جانبدار لوگوں کی حمایت حاصل کرنے، اور مسلح افواج میں منحرف ہو جانے کا عمل تیز کرنے کا سبب بنے گا۔ در حقیقت، ظالمانہ

اقدامات اکثر تشدد سے پاک تحریکات کا سبب بنتے ہیں، نہ کہ ان کا انجام۔ ایمیٹ ٹِل کا قتل تشدد کے ہولناک پہلو کی ایسی ہی ایک مثال ہے جو بالآخر امریکا میں عوامی حقوق کی تحریک کے لیے بڑھتی ہوئی حمایت، ہمدردی اور شرکا میں اضافے کا سبب بنا۔

مارٹن لوتھر کنگ جونیئر کے پیشِ نظر، کیوں نہ اُن کے "برمنگھم جیل سے خط" کے اس پُر فکر اقتباس پر ہم آپ سے اجازت چاہیں: "میرے دوستو، میں آپ سے یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ ہم نے شہری حقوق کی جدوجہد میں ثابت قدم رہتے ہوئے قانونی اور غیر متشدد دباؤ کے بغیر کوئی ایک فائدہ بھی حاصل نہیں کیا ہے۔ افسوسناک تاریخی حقیقت یہ ہے کہ استحقاق رکھنے والے گروہ بعض اوقات اپنے حقوق سے رضاکارانہ طور پر دستبردار ہو جاتے ہیں۔ لوگ ان کے اخلاقی پہلو اور رضاکارانہ دستبرداری کو غیر منصفانہ عمل کے طور پر دیکھ سکتے ہیں؛ لیکن، جیسا کہ رینہولڈ نیبر نے ہمیں یاد دہانی کروائی، افراد کے مقابلے میں گروہ کا میلان بداخلاقی کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ تکلیف دہ تجربے سے ہم نے یہ جانا ہے کہ غاصب کبھی بھی رضاکارانہ طور پر آزادی نہیں دیتا؛ اس کے لیے لازماً مظلوموں کو مطالبہ کرنا پڑتا ہے۔"

ظاہر ہے کہ کنگ تشدد سے پاک مزاحمت کے اخلاقی اور عملی، ہر دو پہلوؤں سے متعلق متفکر تھے۔ لیکن ان کی عملیت پسندی کو کم نہیں سمجھنا چاہیے، جیسا کہ برمنگھم کے خطوط کے نتائج پر جوناتھن رائیڈر کی کتاب میں کیا گیا ہے۔ عدم تشدد پر مبنی مزاحمت سے متعلق مزید جاننے کے لیے واضح طور پر بہت کچھ ہے: یہ ایک ابھرتی ہوئی چیز ہے، اور اسی طرح اس پر سماجی علوم میں اس پر تحقیق بھی آگے بڑھ رہی ہے۔ منظّم تحقیق کے ذریعے ظلم و زیادتی کا سامنا کرنے والے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا کہ مختلف حالات میں کب اور کیسے غیر متشدد جدوجہد کی جا سکتی ہے۔ آمرانہ زندگی سے ریاست کی ناپائیداری اور پُر تشدد انتہا پسندی جیسے متنوع چیلنجوں سے الجھنے والے پالیسی سازوں کو اس بات کا بہتر فہم حاصل ہو گا کہ کب اور کیوں غیر متشدد تحریکات کامیاب ہوتی ہیں —اور ان کی موثر حمایت سے کیا مراد ہے۔

اس دہائی میں —جب عوام پہلے سے کہیں زیادہ غیر متشدد مزاحمت کا راستہ اپنا رہے ہیں —فضلا اور ماہرین، دونوں کو گاندھی اور کنگ کی عملیت پسند اور اصولی دانائی سے استفادہ کرتے ہوئے مستقبل کی راہیں تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔

ایریکا شینوویتھ، یونیورسٹی آف ڈینور کے جوزف کوربل اسکول آف انٹرنیشنل اسٹڈیز میں پروفیسر ہیں۔ وہ ایوارڈ یافتہ بلاگ 'پولیٹیکل وائلنس @ اے گلانس" (سیاسی تشدد ایک نظر میں) کی شریک میزبان بھی ہیں۔